ڈاکٹر رؤف پاریکھ، کراچی

کلامِ اقبال میں لفظ "لالہ" کی معنوی اہمیت

اپنی شاعری اور فلسفیانہ پیغام کے ایک خاص مرحلے پر اقبال نے لفظ "لالہ" کو مسلمان اور رسول اللہ ﷺ کے امتی کے استعارے کے طور پر استعمال کیا۔

ہر زبان کی شعری و ادبی روایات میں ایسے استعارات، تلازمات، کنایات اور علامات ہوتی ہیں جنھیں مختلف ادوار کے اہلِ قلم استعمال کرتے ہیں اور بسا اوقات ان علامات و کنایات کی حیثیت اصطلاحات کی سی ہوجاتی ہے۔ مثلاً اردو شاعری میں گل، بلبل، بت، صنم، نرگس، مے کدہ، شمع، پروانہ، ناصح وغیرہ لغوی معنی کے ساتھ ساتھ مخصوص علائم و رموز کے طور پر بھی برتے گئے ہیں۔

بعض اوقات بڑا شاعر ان علامات و استعارات کو نئے معنی میں استعمال کرتا ہے اور کبھی کبھی کوئی لفظ یا علامت کسی شاعر کے ہاں ایک خاص مفہوم میں استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً میر تقی میر کی شاعری کے بارے میں مشہور بات ہے کہ ان کے ہاں "دل" دراصل "دلّی" شہر کا اور دل کی بربادی دلی کی بربادی کا استعارہ ہے۔ اسی طرح اکبر الٰہ آبادی کی شاعری میں شیخ، برہمن، اونٹ، گائے، مِس، کالج، سید، مسٹر، مولانا اور لندن وغیرہ ایک خاص معنی میں اور علامت کے طور پر آتے ہیں۔

اقبال ہمارے عظیم شعرا میں شامل ہیں اور ان کے ہاں بھی علامات و استعارات کا ایک سلسلہ ہے جس میں وہ بعض مخصوص الفاظ کو اس کے لفظی و لغوی معنی سے ہٹ کر ایک خاص مفہوم یا علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ایسے ہی الفاظ میں ایک لفظ "لالہ" ہے۔ لالہ ایک گہرے سرخ رنگ کا خوب صورت پھول ہے جس کے وسط میں ایک کالا داغ ہوتا ہے اور یہ روایتی طور پر اردو میں حسن، سرخی، عاشق کے دُکھے ہوئے دل اور دل کے داغ کے استعارے کے طور پر مستعمل رہا ہے۔

ابتدا میں اقبال نے لالہ کو عام پھول کے معنی میں بھی استعمال کیا اور کہیں سرخی کے معنوں میں بھی۔ مثلاً بانگِ درا کی نظم "بزمِ انجم" میں کہتے ہیں:

سورج نے جاتے جاتے شامِ سیہ قبا کو
طشتِ افق سے لے کر لالے کے پھول مارے [1]

یہاں لالے کے پھول کو غروبِ آفتاب کے وقت نمودار ہونے والی افق کی سرخی کا استعارہ بنایا گیا ہے۔ لیکن اردو کی شعری روایت میں لالہ کی جو حیثیت تھی ان معنوں میں بھی اقبال نے اسے برتا یعنی حسن کی علامت کے طور پر۔ اسی طرح اقبال کے کلام میں لالہ عاشق، عاشق کے دل اور دُکھے ہوئے دل کے کنائے کے طور پر بھی آتا ہے۔ چونکہ لالے کے پھول کے قلب میں ایک سیاہ داغ ہوتا ہے اس لیے اسے دل جلنے کی علامت اور داغِ دل کا استعارہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ بانگِ درا میں شامل ۱۹۰۷ء کی ایک غزل میں کہتے ہیں:

> اقبال بعض مخصوص الفاظ کو اس کے لفظی و لغوی معنی سے ہٹ کر ایک خاص مفہوم یا علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ایسے ہی الفاظ میں ایک لفظ "لالہ" ہے۔ لالہ ایک گہرے سرخ رنگ کا خوب صورت پھول ہے جس کے وسط میں ایک کالا داغ ہوتا ہے اور یہ روایتی طور پر اردو میں حسن، سرخی، عاشق کے دُکھے ہوئے دل اور دل کے داغ کے استعارے کے طور پر مستعمل رہا ہے

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو یہ
جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا [2]

سید عابد علی عابد کے بقول ۱۹۰۸ء کے بعد اقبال نے اپنے آپ کو دریافت کیا اور انھوں نے غزل اور تصوف کی اصطلاحات اور تلمیحات کو از سرِ نو پرکھنا اور مختلف مفہوم میں برتنا شروع کیا۔ اسی دور میں لفظ لالہ کو اقبال نے نئی معنویت دی اور اپنی شاعری اور فلسفیانہ پیغام کے ایک خاص مرحلے پر آ کر اقبال نے "لالہ" کو مسلمان اور رسول اللہ ﷺ کے امتی کے استعارے کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا [3]۔ بانگِ درا میں شامل ایک نظم "بلادِ اسلامیہ" میں واضح طور پر اس کا اشارہ بھی موجود ہے [4]۔

یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز
لالۂ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز

خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہم دوشِ ارم
جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر ﷺ کے قدم
جس کے غنچے تھے چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی
کانپتا تھا جن سے رُوما ان کا مدفن ہے یہی [5]

یہ نظم ۱۹۰۸ء اور اس کے بعد کے دور میں کہے گئے کلام میں شامل ہے جب اقبال کے کلام میں ایک نیا جہانِ معنی نمودار ہو رہا تھا۔ "بانگِ درا" ہی میں نظم جواب شکوہ شامل ہے جس میں کہتے ہیں:

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا
نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا
جو مسلمان تھا اللہ کا شیدائی تھا
کبھی محبوب تمھارا، یہی ہرجائی تھا [6]

یہاں اقبال قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو لالۂ صحرائی کہہ رہے ہیں جو اللہ کی محبت میں صحراؤں میں گزر بسر کرتے تھے۔ غلام رسول مہر نے اس بند کی تشریح میں لکھا ہے کہ اقبال مسلمانوں کو وہ دور یاد دلا رہے ہیں جب ہر مسلمان اللہ کی راہ میں مر مٹنے کے لیے تیار رہتا تھا [7]۔

بالِ جبریل کی ایک غزل میں بھی اقبال نے لفظ لالہ کی علامتی حیثیت کی طرف اشارہ کیا کہ مسلمان کی تربیت قدرت کی طرف سے خود بخود ہوتی ہے۔ کہتے ہیں:

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی [8]

لیکن لالہ اور لالۂ صحرائی کا اور بھی زیادہ واضح تصور "بالِ جبریل" (جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا تھا) کی ایک نظم میں نظر آتا ہے جس کا عنوان "لالۂ صحرا" ہے۔ لالۂ صحرا اندازِ بیاں اور اپنے دل کش اسلوب کے لحاظ سے اقبال کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہے اور اس نظم میں لالہ کی علامتی حیثیت بہت معنی خیز ہے [9]۔ بقول صدیق جاوید، گلِ لالہ کا خونیں رنگ اس کے سوزِ جگر کا نتیجہ ہے [10]۔

اس نظم کے ایک شعر میں اقبال کہتے ہیں:

بھٹکا ہوا راہی میں، بھٹکا ہوا راہی تُو
منزل ہے کہاں تیری، اے لالۂ صحرائی [11]

اس دور میں اقبال لالۂ صحرا سے حجاز کی مخصوص تہذیب بھی مراد لیتے تھے [12]۔ چونکہ لالہ اصل میں مسلمان کی علامت ہے اس لیے عابد علی عابد کے بقول یہاں اقبال مسلمانوں سے مخاطب ہیں [13]۔ اس نظم کا آخری شعر ہے:

اے بادِ بیابانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
خاموشی و دل سوزی، سرمستی و رعنائی [14]

اس آخری شعر میں اقبال آرزو کرتے ہیں کہ اللہ

کے نیک بندوں اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں جو صفات تھیں وہ ہم میں بھی پیدا ہو جائیں۔ وہ صفات کیا ہیں؟ غور و فکر کی خاموشی، دوسروں کے لیے دلی ہم دردی و دل سوزی اور اللہ کی محبت میں سرمستی، یہ تین صفات حاصل ہوں تو ان سے چوتھی صفت پیدا ہوتی ہے یعنی رعنائی جس سے مراد ہے کشش اور محبوبِ خلائق ہونا [۱۴]۔

اقبال کو احساس تھا کہ ان کی شاعری مسلمانوں میں بیداری کا سبب بن رہی ہے۔ ضربِ کلیم میں کہتے ہیں:

مری نوا سے گریبانِ لالہ چاک ہوا
نسیمِ صبح چمن کی تلاش میں ہے ابھی [۱۵]

اس خیال کا اعادہ ضربِ کلیم کی نظم "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" میں ابلیس کی زبانی آخری شعر میں ہوتا ہے جس میں ابلیس اقبال کی شاعری کے ذریعے مسلمانوں میں پیدا ہونے والی بیداری کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اپنے چیلوں کو حکم دیتا ہے کہ اقبال کے کلام سے مسلمانوں میں آگ لگ رہی ہے لہٰذا وہ اقبال کی آواز کو دبانے کوشش کریں۔ لیکن اس نظم کے آخری شعر سے پہلے کے چند شعر بھی نہایت قابلِ توجہ ہیں جو آج کے دور میں زیادہ معنویت کے حامل ہو گئے ہیں، ابلیس اپنے فرزندوں سے کہتا ہے:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو [۱۶]

کیا یہ سب ہم آج کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے کہ کس طرح ابلیس کے سیاسی فرزند اس ایجنڈے کی تکمیل میں مصروف ہیں؟

اور آخری شعر میں اقبال نے اپنے پیغام اور لالہ (یعنی مسلمانانِ ہند) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ابلیس اور اس کے ساتھی اقبال کے پیغام کو دبانے کی کوشش کریں گے کیونکہ اس سے مسلمانوں میں بیداری پھیل رہی ہے:

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو [۱۷]

لیکن اقبال کا پیغام پھیل گیا اور مسلمانانِ ہند نے اپنے جذبے کی آگ سے ایک نئے چمن، ایک اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی۔

حواشی:

۱۔ کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۹ء)، ص ۲۰۱ [طبع نہم]۔ اقبال اکیڈمی کی شائع کردہ کلیاتِ اقبال کے اس نسخے میں "طشت" (یعنی ط سے) لکھا ہے لیکن درست املا "تشت" (یعنی ت سے) ہے۔ فرہنگِ آصفیہ کے مطابق طشت دراصل فارسی کے لفظ تشت کا معرب املا ہے۔
۲۔ کلیاتِ اقبال، بحوالۂ بالا، ص ۱۶۷۔
۳۔ تلمیحاتِ اقبال (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۵۹ء)، ص ۳۶۱۔۳۶۰؛ نیز عابد علی عابد، شعرِ اقبال (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۷۷ء)، ص ۳۰۶۔۳۰۰ [طبع دوم]
۴۔ ایضاً؛ نیز ایضاً۔
۵۔ کلیاتِ اقبال، بحوالۂ بالا، ص ۱۷۱۔
۶۔ ایضاً، ص ۲۲۹۔
۷۔ مطالبِ بانگِ درا (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۶ء)، ص ۲۵۲ [اشاعتِ پنجم]
۸۔ کلیاتِ اقبال، بحوالۂ بالا، ص ۳۵۳۔
۹۔ صدیق جاوید، بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ (لاہور: اقمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۰۰ [تیسرا ایڈیشن]
۱۰۔ ایضاً۔
۱۱۔ کلیاتِ اقبال، بحوالۂ بالا، ص ۴۳۹۔
۱۲۔ عابد علی عابد، شعرِ اقبال، بحوالۂ بالا، ص ۳۰۶۔۳۰۰
۱۳۔ ایضاً۔
۱۴۔ نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال (اردو) (لاہور: اظہار سنز، ۱۹۸۴ء)، ص ۶۹۰۔۶۸۹
۱۵۔ کلیاتِ اقبال، بحوالۂ بالا، ص ۶۵۴۔
۱۶۔ ایضاً، ص ۶۵۸۔
۱۷۔ ایضاً، ص ۶۵۹۔

فہرستِ ماخذ:

۱۔ اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۹ء [طبع نہم]۔
۲۔ جاوید، صدیق، بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ، لاہور: اقمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۲ء [تیسرا ایڈیشن]
۳۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگِ آصفیہ، مبنی بر چہار جلد، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء [عکسی طباعت، ایڈیشن ۱۹۱۸ء]
۴۔ عابد، عابد علی، تلمیحاتِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۵۹ء۔
۵۔ عابد، عابد علی، شعرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۷۷ء [طبع دوم]
۶۔ مہر، غلام رسول، مطالبِ بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۶ء [اشاعتِ پنجم]
۷۔ نسیم امروہوی، فرہنگِ اقبال (اردو)، لاہور: اظہار سنز، ۱۹۸۴ء۔

☆☆☆